ڈاکٹر خضر یٰسین
اقبال اکادمی پاکستان لاہور

# قرأتِ متن، اصول و مبادی

The writer is on one side and the reader is on the other side. The medium for the delivery of meaning between the both is text. An origination of a meaning takes place in the mind of writer. For the sake of that, he creates text, and reader receives the same meaning owing to the text. "Text" is in fact, the partition of communion in knowledge between writer and reader. The reception and availing of such meaning whose origination did not happen in the consciousness of the creator, is not the shrewdness of the reader, rather it is the result of deviation from the principles and fundamentals of text reading. Writer, text and the reader, the three are inevitable for one another. The expulsion of any one from the three automatically makes the evasion of the other two. In this essay, a discussion is made on the principle and fundamentals of text reading. In the first phase, the relationship of the writer and the reader, and in the second, the reading principles have been highlighted.

مصنف یا ماتن (متن نگار) ایک طرف ہے اور قاری دوسری طرف ہے، دونوں کے مابین ابلاغ معنی کا وسیلہ متن ہے۔ مصنف کے ذہن میں ایک معنی کا جنم ہوتا ہے جس کے لیے وہ متن تخلیق کرتا ہے، قاری متن کے وسیلہ سے اسی معنی کو اخذ کرتا ہے۔ متن درحقیقت مصنف اور قاری کے مابین اشتراک فی العلم کا برزخ ہے۔ متن سے ایسے معنی کا اخذ و افادہ جس کا ابداع ماتن کے شعور میں نہیں ہوا قاری کی فطانت نہیں بلکہ قرأت متن کے اصول و مبادی سے انحراف کا نتیجہ ہوتا ہے۔ مصنف، متن اور قاری تینوں ایک دوسرے کے لیے ناگزیر ہیں۔ تینوں میں سے کسی ایک کو خارج کر دیا جائے تو باقی دو خود بخود محو ہو جائیں گے۔

زیرِ نظر مضمون میں متن کی قرأت کے اصول و مبادی پر بحث کی گئی ہے۔ پہلے مرحلے میں مصنف اور قاری اور پھر اصول قرأت پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ متن فی نفسہٖ کے وجودی اصول پر بھی اہم مباحث کی نشاندہی کر دی گئی ہے۔

۱۔ تصنیفِ متن اور قرأتِ متن وجود میں آنے سے قبل مصنف اور قاری کے جس درجہ تعلیم یافتہ اور تربیت یافتہ ہونے کا تقاضا کرتی ہے اسے نظر انداز کرنا جتنا غلط ہے اتنا ہی اسے غیر ضروری بحث کا موضوع بنانا لایعنی ہے۔ مصنف اور قاری کے مابین تعلیم و تربیت کا ایک مخصوص درجہ ''قدرِ مشترک'' (middle term) کی حیثیت رکھتا ہے۔ مصنف اور قاری میں ''قدرِ مشترک'' تصنیف متن اور قرأت متن سے قبل ناگزیر مفروضہ اولیہ (indspensable presupposition) ہے۔ مصنف ہونا جس طرح ایک اہلیت اور

استعداد ہے، قاری ہونا، بھی اسی طرح ایک اہلیت اور استعداد کا نام ہے۔تصنیفِ متن وہبی یا فطری استعداد ہوسکتی ہے مگر قرأت متن وہبی یا فطری استعداد ہے اور نہ ہوسکتی ہے۔ یہ خالصتاً کسبی اور سو فی صد اکتسابی اہلیت ہے جو فقط تعلیم و تربیت اور مشق و مزاولت سے وجود میں آتی ہے۔ مادرزاد قاری کوئی ہوتا ہے اور نہ ہوسکتا ہے، یہی فطری حقیقت ہے۔ معجزہ، کرامت یا استدراج اور بات ہے، قدرت کے معلوم و مروج اصول وضوابط میں ایسا نہیں ہوتا کہ بغیر تعلیم و تربیت کوئی متن کا قاری بن جائے۔متن کو ماتن اور قاری کے مابین کلام یا خطاب کو وسیلہ اظہار و ابلاغ بنانے والی ''قدرِ مشترک'' غیر معمولی اہمیت کی حامل وہ فضیلت ہے جس کا بدل اور متبادل ممکن نہیں ہے۔متن مکالمہ یا مخاطبہ نہیں ہے، یک رخا کلام اور یک رخا خطاب ہے۔ مکالمے اور مخاطبے میں غلط فہمی کا ازالہ آسان ہوتا ہے، قرأتِ متن میں غلط فہمی کا ازالہ متن کے قطعی الدلالہ ہونے میں مضمر ہے۔متن سے حصول معنی کے لیے ماتن فعال اور قاری منفعل فریق ہے۔شعور فعال ہو یا منفعل دونوں صورتوں میں کارگزار اور کارپرداز ہوتا ہے چنانچہ فعال اور منفعل شعور کی حدود فطری نہیں ارادی ہیں۔ قاری حصولِ معنی کے لیے ارادتاً تیار نہ ہو تو متن خود بخود قاری کے شعور میں داخل نہیں ہوسکتا۔ قاری دوران قرأت میں متن کی تشکیل نو نہیں کرتا، متن کے معنی کی تحصیل کرتا ہے۔تحصیلِ معنی کی حدود سے تجاوز کرنا اور تشکیل نو کی حدود میں داخل ہونا ممکن تو ہے مگر یہ دونوں کام ایک دوسرے سے خاصے مختلف ہیں۔متن کی تشکیلِ نو سے قاری کو روکا جا سکتا اور نہ انسان سے حقِ تصنیف غصب کیا جا سکتا ہے۔ تاہم متن کی تشکیل نو اور تصنیف نو کی اہلیت اور قرأت متن کی استعداد ایک دوسرے سے ممتاز اور منفرد اہلتیں ہیں۔خلط مبحث سے فکر ونظر کی بے چینی میں اضافہ ہوسکتا ہے، نتیجہ خیز بحث و مباحثہ نہیں ہوسکتا۔ یاد رکھیے انسان متن نگار ہوسکتا ہے، قاری بن سکتا ہے، متن کے معنی کی تحصیل کرسکتا ہے یا متن کی تشکیل وتصنیف کا فریضہ انجام دے سکتا ہے، مگر جس متن کا قاری ہے اس کا مصنف نہیں ہے اور نہ بن سکتا ہے۔

۲۔ قرأت متن کی تین شرائط ہیں، ہر شرط کے متحقق ہونے کی ایک سے زیادہ ذیلی شرائط ہیں، تاوقتیکہ تمام شرائط ذیلی شرائط سمیت کاملاً وقوع پذیر نہ ہو جائیں، قرأت متن کا وظیفہ انجام نہیں دیا جا سکتا۔ پہلی شرط ماتن، دوسری متن اور تیسری قاری ہے۔

متن نگاری ایک اہلیت ہے اور ایک فن ہے، اس فن کا کمال ''تصور'' کی کامل تعبیر میں مضمر ہے۔''تصور'' علم ہو چاہے رائے ہو، خیال ہو چاہے مفروضہ ہو یا کچھ اور، پوری لطافت و نزاکت اور عفت و نظافت کے سمیت ''لفظ'' میں منتقل ہو جائے، یہ اس فن کا کمال ہے۔ ماتن یا متن نگار جس تصور کی تعبیر کے لیے متن نگاری کرتا ہے، وہ علمی، اخلاقی، جمالیاتی یا مذہبی ہوسکتا ہے۔تصور کی نوعیت متن کی نوعیت کا تعین کرتی ہے۔علمی متن، تعلیمی متن، جمالیاتی متن اور مذہبی متن وغیرہ درحقیقت ماتن کے تصور کی نوعیت سے وجود میں آتے ہیں۔متن تصور نہیں بلکہ تصور کی تعبیر ہے، تصور کی خارجی ہیئت یا شکل ہے اور معروضی واقعیت ہے۔''متن'' دوگونہ دلالت کی حامل ہیئت ہے، ایک طرف وہ ماتن کے تصور کی تعبیر ہے اور دوسری طرف قاری کے ذہن میں اسی تصور کا صورت گر اور خالق ہے جو متن نگار کے ذہن میں قبل از تعبیر موجود ہوتا ہے۔''متن'' منقوش کلام ہے جس طرح ''خطاب'' منطوق کلام ہے، مصنف اور متکلم دونوں کا وظیفہ تصور کی قابل فہم تعبیر وضع کرنا ہے۔قبل از تعبیر'' تصور'' انفرادی اور خالص موضوعی شے ہے، ''تعبیر'' انفرادیت سے نکال کر اسے اجتماعی اور معروضی حقیقت بنا دیتی ہے۔تصور سے وابستہ ''کیفیت'' اور تعبیر سے وابستہ ''کیفیت'' قبل از تصور دستیاب مفروضات ہیں۔''تصور'' ذہنی عمل ہے، جو دستیاب مفروضات کے حقیقت بننے اور ہونے کی دلیل ہے۔کیفیت اور تعبیر فقط اسی وقت حقیقت متصور ہوتی ہیں جب ان کے مابین تصور ''برزخ'' بن جاتا ہے۔ کیفیت اور تعبیر کے مابین ''تصور'' اسی طرح برزخ ہے جس طرح متن ماتن اور قاری کے مابین اشتراک فی العلم کا برزخ ہے۔ ماتن اور قاری کے مابین چند امور قبل از

متن ''متفق علیہ مشترکات'' ہوتے ہیں، متن انہی مقدم الوجود (a priori) متفق علیہ مشترکات کی تنظیم و ترکیب سے وجود میں آتا ہے، نہ کہ غیر متفق علامات وضع کرنے سے وجود میں آتا ہے۔

۳۔ ''متفق علیہ مشترکات'' الفاظ و کلمات اور ان کی طے شدہ باہمی نسبتیں ہیں، متن ان دونوں کے ذریعے ابلاغ کا وسیلہ بنتا ہے۔ ماتن کی ذمہ داری ''متفق علیہ مشترکات'' اور ان کی نئی نسبتوں کا انتخاب ہے جو ابلاغ کو بہ خوبی ممکن بنادے۔ معنی اور تعبیر معنی ماتن یا مصنف کا فرض ہے، کامیابی کے ساتھ اپنی ذمہ داری سے عہدہ براء ہونا بھی مصنف کے ذمہ ہے۔ ماتن اگر کامیابی کے ساتھ اپنی ذمہ داری پوری کر لے تو مزید کوئی مطالبہ اس سے نہیں کیا جا سکتا۔ علمی متون کی تصنیف و تشکیل، خیال آفرینی پر مبنی متون کی تصنیف و تالیف سے یقیناً مختلف ہوتی ہے تاہم دونوں انواع کی متن نگاری میں ماتن کا وظیفہ اور فریضہ ایک ہی رہتا ہے۔ تعبیر کی کمی و کوتاہی کا ازالہ جدید تعبیر کی صحت و توانائی سے ممکن ہوتا ہے۔ کوتاہ بیانی متن کی تشکیل نو اور تعبیر ثانی کا سبب بنتی ہے جو درحقیقت ماتن کے قادر الکلام ہونے کو مشکوک بنا دیتی ہے، بلکہ ماتن کے قادر الکلام نہ ہونے کو یقینی بنا دیتی ہے۔ تعبیر معنی میں غیر معمولی اختصار اور غیر معمولی تفصیل ابلاغ سے معنی کے وسائل متاثر ہوتے ہیں۔ تعبیر کی کمی و کوتاہی غیر معمولی اختصار اور غیر معمولی تفصیل سے عبارت ہے۔ ''متفق علیہ مشترکات'' میں اختصار اور تفصیل کی حدود پہلے سے طے شدہ اور واضح ہوتی ہیں۔ فصاحت و بلاغت کے علوم میں یہی امور موضوع بحث ہوتے ہیں۔ قادر الکلام ماتن حدِ اختصار سے تجاوز کرتا ہے اور نہ حدِ تفصیل سے بے نیاز ہوسکتا ہے۔ تعبیر معنی میں ماتن کی بے نیازی فقط بیان کی کمی و کوتاہی کا باعث ہی نہیں ہوتی، مصنف کو ماتن کے درجے پر فائز ہونے میں بھی مانع ہوتی ہے۔

۴۔ جمالیاتی متون aesthetic texts کی کامیابی اور ناکامی کا معیار بالعموم قبولیت عامہ متصور ہوتا ہے، علمی متون کا معیار قبولیت عامہ کبھی نہیں رہا، ان کی کامیابی فقط ''قطعی الدلالہ'' ہونے میں مضمر ہوتی ہے۔ ''قطعی الدلالہ'' متن یا بیان کی صفت ہے، مقطوع الجہات متن یا وہ بیان جو کثرتِ معنی کا حامل ہو اور نہ متحمل ہو ''قطعی الدلالہ'' کہلاتا ہے۔ وہ متن جو مقطوع الجہات نہ ہو یعنی کثرت معنی کا حامل اور متحمل ہو، تعبیر کی کمی و کوتاہی کا شکار ہوتا ہے۔ ''قطعی الدلالہ'' متن یا بیان، **القول السدید** اور **القول الثابت** بھی کہلاتا ہے۔ قطعی الدلالہ متن کا کمال معنی پر فقط حتمی دلالت میں ہی مضمر نہیں ہوتا ہے بلکہ اس کا کمال یہ ہوتا ہے کہ وہ غیر مطلوب معنی کو حدود تفہیم میں داخل نہیں ہونے دیتا۔ قاری یا سامع ایسے بیان سے فقط وہی معنی مفہوم کرسکتا ہے جس کا ابتکار مصنف یا متکلم کے شعور میں ہو چکا ہے۔ قطعی الدلالہ متن کی گرفت اذہان پر ہمیشہ غالب رہتی ہے، لمحہ بھر کے لیے بھی سامع یا قاری کا شعور اس گرفت سے آزاد نہیں ہوسکتا۔ ''ظنی الدلالہ'' بیان کے ایک معنی پر اصرار ممکن نہیں ہوتا، کثرت معنی یا کثیر الجہات ہونے کی وجہ سے قاری یا سامع اور مصنف یا متکلم کے مابین اشتراک فی العلم کا دعویٰ نہیں کیا جا سکتا، واقعہ یہ ہے کہ اس نوعیت کے متون کی تخلیق اس غرض سے ہوتی بھی نہیں ہے۔ مگر قطعی الدلالہ بیان میں ایک معنی پر اصرار نہ کرنے کی کوئی وجہ نہیں ہوتی۔ جمالیاتی یا غیر علمی متون بلا استثناء ظنی الدلالہ ہوتے ہیں، ذہن انسانی کثیر الجہات بیان میں جمالیاتی آسودگی حاصل کرتا ہے مگر مقطوع الجہات متن میں علمی اطمینان سے فیض یاب ہوتا ہے۔ علمی اور جمالیاتی متون میں یہ فرق اصل الاصول کا حکم رکھتا ہے، اسے نظرانداز کرنے سے حقیقت افسانہ بن جاتی ہے اور افسانہ حقیقت متصور ہونے لگتا ہے۔ مصنف یا ماتن ''ظنی الدلالہ'' متن کی تصنیف کا قصد کرتا ہے تو ہر اس بیان سے اعراض کرے گا جو قطعی الدلالہ ہو۔ اسی طرح شعر کا وہ علمی تجزیہ جو اسے حقیقت کا بلاواسطہ ترجمان سمجھ کر کیا جاتا ہے، شعریت کو فنا کرنے کے سوا کوئی خدمت انجام نہیں دیتا۔ ظنی الدلالہ متن یا بیان جمالیاتی ادب میں خوبی متصور ہوتا ہے اور ہونا

چاہیے۔علمی متون میں ظنی الدلالہ تصنیف ماتن کے شعور کی پراگندگی کو ظاہر کرتی ہے جو حقیقت حال سے باخبر ہونے سے زیادہ مصنف کہلانے کے شوق کا نتیجہ ہوتی ہے۔

۵۔ ماتن اظہار و ابلاغ میں اسی حد تک کامیاب ہوتا ہے جس حد تک اس کا ذہن حقائق میں قابل اعتماد حد تک شعور اور قابل بیان حد تک ادراک کا حامل ہوتا ہے۔شعور و ادراک اور اظہار و ابلاغ متوازی خطوط ہیں،شعور و ادراک جس درجہ گہرائی و گیرائی کا حامل ہو، اظہارو بیان اسی درجہ کا جامع و مانع ہوگا۔متن کی خوبی اور خامی متن نگار کے شعور کی آئینہ دار ہوتی ہے، ماتن جس قدر مبینہ حقائق و فضائل میں واضح فہم و ادراک کا حامل ہوگا، اسی حساب سے اظہار و بیان واضح اور پیچیدگی سے پاک ہوگا اور اظہارو بیان جس قدر مبہم، غیر واضح اور پیچیدہ ہوگا متن نگار کا شعور اسی حساب سے التباس و اختلاط گزیدہ ہوگا۔ ذہن کے لیے محال ہے بغیر معنی مفہوم کیے اظہارو بیان پر قادر ہو یا اظہارو بیان کے بغیر معنی مفہوم کر سکے،معنی بیان میں اور بیان معنی میں ملفوف ہوئے بغیر معدوم ہوتا ہے۔ ذہن میں معنی کا انشائے اظہار کے پیراہن کے ساتھ ہوتا ہے، اظہاروابلاغ سے عاری ذہن میں انشائے معنی کا تصور ممکن نہیں ہے۔ لفظ اور معنی میں تقدم و تاخر زمانی نہیں ہوتا بلکہ رتبی ہوتا ہے، جہاں تک زمانے کا تعلق ہے تو معنی اور اظہار بیک وقت ذہن میں موجود ہوتے ہیں۔

۶۔ متن نگار کا ذہن معنی کی تفہیم اور اس کے ابلاغ و بیان میں قاری کے ذہن سے نہ فقط زمانی اعتبار سے مقدم ہوتا ہے، بلکہ مرتبے کے لحاظ سے بھی فائق ہے۔ قاری متن نگار کا مقتدی اور متبع ہے، امام یا ہادی نہیں ہے، قرأت متن کی اس اہم ضرورت کو نظرانداز نہیں کیا جا سکتا ہے۔ انتقادِ متن اور قرأتِ متن دو مختلف وظائف ہیں، جنہیں یکے بعد دیگرے انجام دینا ممکن ہے، بیک وقت یا مقدم کو موخر اور موخر کو مقدم کر دینے سے یہ وظیفہ انجام نہیں دیا جا سکتا۔ قرأتِ متن سے قبل انتقادِ متن ممکن نہیں ہے،متن کی تشکیل نو، تصحیح معنی اور تصحیح بیان وغیرہ سب انتقادِ متن کی مختلف صورتیں ہیں۔ انتقادِ متن کا حق اسے حاصل ہے جو قرأت متن کی اہلیت کا حامل ہو اور اس اہلیت کو بروکار لا چکا ہو۔ قرأتِ متن کا وظیفہ انجام دیے بغیر، انتقادِ متن کے درپے ہونا علمی دیانت کے منافی ہی نہیں، جہالت بھی ہے۔متن نگار قاری پر اور تنقید نگار ماتن پر ہمیشہ فوقیت کا حامل ہوتا ہے اور یہ فوقیت بہرحال قائم رہنی چاہیے اور اسے کسی صورت میں نظر انداز نہ کیا جانا چاہیے۔متن نگاری، قرأتِ متن اور تنقید نگاری ایسی اہلیت ہے جو کسی بھی متن کے علمی وجود اور بقا کی ضمانت ہے۔ ہر متن قرأت کے لیے ہوتا ہے مگر ہر قرأت تنقید کے لیے ہو، ضروری نہیں ہے۔تنقید کی خاطر کی جانے والی قرأت، عام قرأت سے کہیں زیادہ کامل اور مکمل ہوتی ہے۔ ناقد یا تنقید نگار متن نگار سے بڑا مصنف ہوتا ہے، وہ متن کی تشکیل نو، تصحیح معنی، تصحیح بیان کا حق رکھتا ہے، تنقید نگار متن کا مصنف نہیں بلکہ مابعد مصنف (Meta-author) ہے۔تفسیر متن کی تنقید ہے، تشکیل نو ہے جو تصحیح معنی کی غرض سے یا تصحیح بیان کے لیے وجود میں آتی ہے۔تفسیر کرنے والا متن کا مصنف نہیں ہوتا، وہ متن کا مابعد مصنف ہے۔

۷۔ انسان سوچے بغیر بول سکتا ہے اور بولے بغیر سوچ سکتا ہے مگر سوچ اور بول کا ''سانچہ'' سانجھا ہے۔متن نگاری وہ فن ہے جس میں سوچ بول کا اور بول سوچ کا پورا پورا سانجھی ہوتا ہے۔مصنف کی اولین ذمہ داری سوچ اور بول یعنی لفظ اور معنی کے تعلق کو منقطع ہونے سے بچانا ہے۔فکر کی جدت لفظ اور معنی کے مابین نئے رشتوں کی جستجو کے علاوہ دلالتوں کی قطعیت میں مضمر ہے۔''سچ'' تخلیق نہیں کیا جاتا، دریافت کیا جاتا ہے،فکر کی تجدید سچ کی حتمی دلالت تک رسائی ہے، نئی ایجاد علمی دریافت کے علاوہ خیال آرائی سے بھی ہوسکتی ہے۔ نئی علمی دریافت پر مبنی متون دلالت کے اعتبار سے قطعی نہ ہوں تو ان کی تصنیف کی غرض و غایت کے ساتھ ان

کی ہستی بھی فنا ہوجاتی ہے۔متون مدلول کے لحاظ سے نئی دریافت ہوتے ہیں، دلالتوں کا نظام دریافت کرنے کی شے نہیں ہے، سیکھنے کی شے ہے۔ خیال آرائی اور علمی دریافت میں فرق دلالتوں کی تشکیل کا نہیں ہے، مدلول کی ماہیتوں کا ہے۔متن نگار علمی دریافت کے بیان میں اس وقت تک محتاط متصور نہیں ہوسکتا جب تک اس کے بیان کی دلالتوں کی تنظیم حتمی اور تشکیل قطعی نہ ہو۔ بیان کی دلالتوں کی حتمی تنظیم اور قطعی تشکیل قاری کی تفہیم سے مشروط ہوتی ہے۔قاری کا شعور جس بیان کے ذریعے سے ماتن کے شعور سے کامل ہم آہنگ ہوتا ہے اور رہتا ہے وہ بیان قطعی الدلالہ ہے۔قاری کی سطح ادراک متن نگاری سے پہلے متعین ہوتی ہے،متن نگاری بعد میں فقط ممکن ہوتی ہے۔

۸۔ ماتن کا وظیفہ متن نگاری ہے اور قرأت اس کا وظیفہ نہیں ہے۔مصنف جس متن کا خالق ہے، اس کے بیان کی صحت ابلاغ اور عدم صحت کا ذمہ دار ہے۔متن کی درست اور غلط تفہیم کا مبداء بیان کا ابہام و ایہام ہوتو قصور وار ماتن ہے۔ درست اور غلط تفہیم کا مبداء بیان کا ابہام و ایہام نہ ہوتو قاری ذمہ دار ہے۔متن کی قرأت کی اہلیت قاری کی ذمہ داری ہے،مصنف اپنی تصنیف کے متن کا قاری تو ہوتا ہی ہے مگر اصلاً قرأت قاری کی اہلیت اور ذمہ داری ہے۔قرأت متن کی اہلیت سے محروم قاری کی درست اور غلط تفہیم قابل التفات نہیں ہوتی، جیسے متن نگاری کی اہلیت سے محروم مصنف کی تصنیف و تالیف لائق اعتناء نہیں ہوتی۔متن کی قرأت اور تفہیم کے لیے قاری کے بجائے مصنف کا وجود ناگزیر ہوتو متن لائق مطالعہ نہیں ہوتا۔مصنف یا متن نگار کا وظیفہ اس وقت ختم ہوجاتا ہے جب ''متفق علیہ مشترکات'' کے ذریعہ سے اپنا مدعا پیش کر دیتا ہے۔تصنیف اور مصنف ایک دوسرے سے اسی اصول پر جدا ہوتے ہیں کہ متن کا بیان ابلاغ مدعا میں خارجی اعانت کا محتاج نہیں ہے۔مصنف کی موت (Death of the author) کا تصور درحقیقت متن کے کامل ہونے کا آئینہ دار ہے، اس کا یہ ہرگز مطلب نہیں کہ مصنف اور تصنیف میں ایسی لاتعلقی پیدا ہوگئی ہے جس سے ''متن'' مصنف کے ابلاغ کا وسیلہ ہونے کے بجائے قاری کے ہاتھ کا کھلونا ہے۔ ذرائع و وسائل اس وقت اپنے مقام و منصب سے خارج ہو جاتے ہیں جب وہ ذرائع و وسائل کے بجائے مقاصد و غایات کے درجہ فائز کر دیے جاتے ہیں۔غور وفکر کی آزادی اور علم و دانش کی بے راہروی ایک شے نہیں ہے۔ جمالیاتی متون کو قاری اپنا ذاتی و شخصی تجربہ فرض کرسکتا،علمی متون میں یہ جسارت کارآمد ہوتی ہے اور نہ بارآور ہوتی ہے۔علمی متن ماتن کا علمی کارنامہ ہوتا ہے جس کی وضع وتشکیل میں قاری شریک ہے اور نہ شامل ہے۔مصنف کا مقصد قاری کو اس شعوری استحضار میں شریک کرنا ہوتا ہے جو تصنیف کا سبب بنا ہے۔

۹۔ علمی متون کی تصنیف شعور کے ارتقائی مراحل کے دوران میں کی جائے تو مصنف کا ترقی یافتہ شعور ازخود ترقی پذیر شعور کے حاصلات سے برأت کر لیتا ہے اور پہلا متن خود بخود منسوخ ہو جاتا ہے۔متن کی قرأت کا بھی یہی معاملہ ہے،جس طرح متن کی تصنیف مصنف کے ترقی یافتہ شعور کی نمائندہ ہوتی ہے،اسی طرح قاری جب تک متن پر اظہار خیال نہیں کرتا،متن کی نسبت اس کے شعور کی سطح کا ادراک درست ہی سمجھا جاتا ہے۔متن نگار اور قاری کے شعور میں یکسانیت پیدا ہونے یا نہ ہونے کا ثبوت قاری کے بیان سے واضح ہوتا ہے۔مصنف کے شعور میں ایک معنی کا ابداع ہوتا ہے، وہ مفہوم شدہ معنی کو الفاظ وکلمات یا ''متفق علیہ مشترکات'' کے میڈیم میں بیان کرتا ہے۔تصنیف یا بیانیہ کے ذریعے سے قاری بعینہٖ اسی ابداع شدہ معنی کو اخذ کرتا ہے۔مصنف کا بیان پورے شعور کا آئینہ دار ہے اور قاری کی تفہیم پورے شعور سے وجود میں آتی ہے۔مصنف کا پورا شعور بیان میں اور قاری کا پورا شعور تفہیم میں بروئے کار آتا ہے۔شعور کی ہم آہنگی سے ایک ماتن ہے اور دوسرا قاری ہے،متن کی بنا پر دونوں کا شعور ہم آہنگ نہ ہوتو ایک مصنف نہیں ہے اور دوسرا قاری نہیں ہے۔مصنف اپنے بیان کو منسوخ نہ کر دے اور قاری اپنی تفہیم کو بیان نہ کرلے، دونوں کے

متعلق قابل اطمینان حد تک یہ تشفی برقرار رکھنی ضروری ہے کہ تبیین وتفہیم کی ذمہ داری سے دونوں عہدہ براء ہو چکے ہیں۔

۱۰۔ قاری اور ماتن دونوں کے اظہارو بیان کے سانچے یعنی الفاظ وکلمات ''متفق علیہ مشترکات'' نہیں بلکہ دونوں کے مبدعات شعور بھی ''متفق علیہ'' ہیں۔ مبدعاتِ عالم ہوں یا مبدعاتِ شعور دونوں نفس الامر میں انسان کی مشترکہ میراث ہیں، اس مشترکہ میراث کے بغیر اشتراک فی العلم فضیلت ہو سکتا ہے اور نہ کوئی شے قابل اصرار معیار متصور ہوسکتی ہے۔ شعور کی تینوں صورتیں ماخوذات ذہنی، مخترعات ذہنی اور مبدعات ذہنی نہ صرف ماہیات میں ایک دوسرے سے ممتاز ومنفرد ہیں بلکہ نفس الامر میں بھی ایک دوسرے سے جدا جدا ہیں۔ غیر تربیت یافتہ شعور ان کے باہمی امتیازات آسانی سے نظرانداز کر سکتا ہے مگر تربیت یافتہ ذہن اس کی صورت میں بھی ان کے باہمی فرق و امتیاز ترک نہیں کر سکتا۔ غیر تربیت یافتہ قاری ماخوذات، مخترعات اور مبدعات کا باہمی فرق و امتیاز قائم نہ رکھنے کی وجہ سے جس نوع کی غلط فہمی کا شکار ہوتا ہے اس کا ازالہ مطلوبہ اہلیت کے حصول کے بغیر ممکن نہیں ہے۔ انسان ''قاری'' کے منصب پر جس اہلیت سے فائز ہوتا ہے وہ محض متن پڑھ سکنے کی استعداد نہیں ہے، یہ اہلیت متن کو پڑھ کر سمجھنے اور سمجھ کر پڑھنے سے کچھ زیادہ کا تقاضا کرتی ہے۔ متن بے ربط لکھائی نہیں، تحریر شدہ کلام ہے۔ ''کلام'' کی نحوی ترکیب کا نظم ایک شے ہے اور سیاق کا نظم بالکل دوسری شے ہے۔ متن کی نحوی ترکیب کے نظم کا عرفان قاری کو اسم، فعل اور حرف کے ادراک سے ہوتا ہے، سیاق کلام کا نظم الفاظ وکلمات کی معنوی دلالتوں کا رخ متعین کرتا ہے۔ سیاق کلام کا نظم ذومعنی لفظ کو نہ صرف ذومعنی نہیں رہنے دیتا بلکہ قاری کے ذہن کو مجبور کر دیتا ہے کہ وہ مصنف کی مراد کے سواء کسی اور طرف متوجہ نہ ہو۔ سیاق کلام کا نظم کلام کے بطون میں ہوتا ہے، اسے قاری متن پر نافذ نہیں کرتا، جیسا کہ نظم قرآن کے حامیوں کا وطیرہ ہے۔ ''کلام'' یا متن قاری کے ذہن میں سیاق کے نظم سے نفوذ کرتا ہے اور اسے مسخر کر لیتا ہے۔ قاری کا ذہن سیاق کلام کے نظم سے پیدا ہونے والی تاثیر کے نفوذ سے عاری ہونے کی وجہ زیر مطالعہ متن کی تشکیل نو کا بیڑا اٹھاتا ہے تو یہ تشکیل نو کے بجائے نئے متن تخلیق ہوتی ہے۔

۱۱۔ متن کی نحوی ترکیب کے نظم کا عالم قاری اپنے بارے یقین رکھتا ہے کہ وہ متن سمجھ رہا ہے حالانکہ متن کی تفہیم کا غالب حصہ نحوی ترکیب کے نظم سے زیادہ سیاق کلام کے نظم کا مرہون منت ہوتا ہے۔ سیاقِ کلام کا نظم قاری کے شعور میں قائم نہ ہو تو انتہائی ناقص قرأت وجود میں آتی ہے۔ یاد رکھیے متن کے رسم الخط سے مختلف قرأتوں کا اخذ و افادہ قاری کے لسانیاتی ذوق کا آئینہ دار ہوتا ہے، یہ قرأتِ متن ہرگز نہیں ہوتا۔ قرأتِ متن سیاق کلام کے نظم کے اخذ و افادہ سے وجود میں آتی ہے۔ متن کے رسم الخط سے مختلف قرأتوں کا انشاء لسانیاتی شعبدہ بازی سے زیادہ کچھ نہیں ہے۔ متن کے رسم الخط سے مختلف قرأتیں پیدا کرنے کے لیے ''صرف ونحو'' کے علاوہ مختلف لہجوں میں مہارت کی ضرورت ہوتی ہے مگر سیاق کلام کے نظم کی پابندی کرنے والا ذہن متن کے رسم الخط سے کبھی ایک سے زیادہ قرأتوں کا انشاء و ابداع نہیں کر سکتا۔ متن موم کی مورتی نہیں جسے پڑھنے والا اپنی پسند کی صورت دے سکے، اس کے برعکس قاری کا ذہن متن کے سامنے موم ہوتا جس سے وہ افادہ اور استفادہ کرتا ہے۔ ماتن کے شعور میں انشاء ہونے والے معنی بعینہٖ قاری کے شعور میں پیدا ہوں اس کے لیے قاری کی نفسیاتی اور ذہنی تربیت ضروری ہے، مطلوبہ نفسیاتی اور ذہنی تربیت کے بغیر یہ فریضہ انجام نہیں دیا جا سکتا۔ متن کی قرأت مطلوبہ نفسیاتی اور ذہنی پس منظر کے ساتھ ہو تو فہم معنی کے لیے سیاق کلام کے نظم کا تتبع ہی کافی ہوتا ہے۔ لیکن اگر قاری کا ذہنی جھکاؤ اور نفسیاتی رجحان متن سے غیر متعلق مفادات کا حصول کی جانب ہو تو وہ ان معانی تک کبھی رسائی نہیں حاصل کر سکتا جن کے لیے متن وجود میں آیا ہے اور جن معانی تک وہ رسائی حاصل کرتا ہے وہ مصنف کے وہم وگمان میں بھی نہیں ہوتے۔ قاری متن کی تشکیل نو اور حاشیہ نویسی اپنے اطمینان کے لیے کرتا، مگر یہ دونوں کام قاری کی اہلیت اور

نفسیاتی رجحان کو بالکل واضح کر دیتے ہیں۔ قاری متن سے جس اظہار و بیان کی توقع رکھتا ہے، متن اس کے مطابق نہ ہو تو قاری مزعومہ کمی و کوتاہی کا ازالہ حاشیہ نویسی یا بیان ثانی وضع کرنے باز نہیں آ سکتا۔

۱۲۔ کامیاب متقاری کی حاشیہ نویسی اور تشکیل نو کا محتاج ہوتا ہے اور نہ تشکیل نو یا حاشیہ نویسی کی ضرورت محسوس ہونے دیتا ہے۔ کامیاب متن ایک طرف ماتن کے مقصود کا ابلاغ کرتا ہے اور دوسری طرف قاری کے اطمینان قلب کا سبب بنتا ہے۔ وہ متن معنی کے ابلاغ میں غیر کی احتیاج سے کبھی مستغنی نہیں ہوتا جس کے افہام و تفہیم اور اطلاق و انطباق کے لیے قاری تشکیل نو کی ضرورت محسوس کرے یا حاشیہ نویسی پر مجبور ہو جائے۔ متن کی تشکیل نو اور حاشیہ نویسی قاری کر سکتا ہے مگر علمی دیانت کا تقاضا ہے کہ ایسا کرنے سے قبل متن کی اس کمی و کوتاہی کی نشاندہی کرے جس کی اصلاح کے نتیجے میں تشکیل نو یا حاشیہ نویسی کی ضرورت پیش آئی ہے۔ قاری مطلوبہ اہلیت کے ساتھ قرأتِ متن کرتا ہے تو بلاوجہ متن کی تشکیل نو اور حاشیہ نویسی کے درپے نہیں ہو سکتا۔ قاری کا مابعد قرأت امور کی جانب متوجہ ہونا درحقیقت ماتن کی قدرت بیان کو چیلنج ہے، قاری کی بے اطمینانی متن کی تشکیل نو کا محرک ہوتی ہے۔ قاری کی بے اطمینانی کا سبب اس کی کم علمی یا کم فہمی ہو تو متن کی تشکیل نو کا سوال پیدا ہی نہیں ہوتا۔ ماقبل قرأت اور مابعد قرأت امور یکساں نہیں ہوتے، قبل از قرأت وہ استعداد درکار ہوتی ہے جو قاری بننے کی شرط ہے اور بعد از قرأت قاری نہ فقط متن نگار کے موقف سے باخبر ہو چکا ہے بلکہ وہ اس نقص و کمال سے بھی واقف ہے جو مصنف کے ذہن میں بطور علم موجود ہے اور جو متن میں بطور بیان میں آیا ہے۔

۱۳۔ کامیاب متن اور ناکام متن، متن نگار کا کمال و نقص ہے، قاری کا اس سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ قرأتِ متن کا نقص و کمال قاری کی اہلیت پر منحصر ہے، قبل از قرأت استعداد کا علم خود قاری کو ہوتا ہے تاہم قاری کی قابل سماعت قرأت سے سامعین پر قاری کی اہلیت عیاں ہو جاتی ہے۔ تربیت یافتہ قاری خود متن کی قرأت کرے یا متن پڑھ کر سنائے، دونوں صورتوں میں قاری اور سامع دونوں کے شعور میں وہی معنی نمودار ہوتے ہیں جو متن نگار کے ذہن میں قبل از تصنیف ہوتے ہیں۔ قرأت متن کے باب میں اس امر کو پیش نظر رکھنا ضروری ہے کہ متن کی قابل سماعت قرأت کے لیے ضروری نہیں کہ قاری متن کی تفہیم کا بھی اہل ہو۔ ہم جس قاری کی قرأت بطور اصول یہاں موضوع بحث بنا رہے ہیں وہ متن سمجھ کر پڑھتا ہے اور پڑھ کر سمجھتا ہے۔ خود مکتفی متن زندہ متن ہے، قاری اسے **متحجر** بنا دے تو متن سے ایسے معانی اخذ کر سکتا ہے جو مصنف کے شعور میں کبھی نہ آئے ہوں۔ زندہ متن اور **متحجر** متن قاری کی قرأت کا نتیجہ ہے، ورنہ متن زندہ ہوتا ہے اور نہ **متحجر** ہوتا ہے۔ قاری کی قرأت ماتن کی قرأت کا عین ہو تو متن زندہ اور قاری کی قرأت ماتن کی قرأت کا غیر ہو تو متن **متحجر** بن جاتا ہے۔ متن کا **تحجر** اور متن کا تحرک پیش نظر نہ ہو تو ہر قرأت ایک جیسی متصور ہوتی ہے۔

۱۴۔ قاری کا شعور بعض اوقات قرأتِ متن کے دوران میں ایسے امور کی جانب ارادی یا غیر ارادی طور پر متوجہ ہو جاتا ہے، جن کا مبدا اگرچہ متن ہی ہوتا ہے تاہم وہ امور متن نگار کے شعور میں ارادی یا غیر ارادی ابلاغ کا محرک ہوتے اور نہ پیش نظر ہوتے۔ کلام کی ہر نوع چند مبادی پر مبنی ہوتی ہے اور چند غایات کی حامل ہوتی ہے۔ مبادی وہ مقدمات یا اصول ہیں جنہیں فرض کیے بغیر کلام ممکن نہیں ہوتا اور غایات وہ نتائج و عواقب ہیں جو کسی کلام کا ناگزیر انجام ہوتے ہیں۔ متن کے سیاق کلام کا نظم اصول و مبادی اور نتائج و عواقب کے مابین تشکیل پاتا ہے، نہ اکیلے اصول و مبادی قرأت متن میں کارآمد ہوتے ہیں اور نہ نتائج و عواقب تنہا سیاق کلام کے نظم کی تشکیل کر سکتے ہیں۔ اصول و مبادی پر توجہ مرکوز کیے رکھنے والا قاری متن نگار کے مطالب و مفاہیم سے اسی طرح دور رہتا

ہے جیسے نتائج وعواقب پر نظر جما رکھنے والا قاری ہوتا ہے۔ سیاق کلام کا نظم، اصول و مبادی اور نتائج وعواقب کے مابین قائم ہوتا ہے اور رہتا ہے۔ اصول و مبادی اور نتائج وعواقب، سیاق کلام کے نظم سے مشروط ہوتے ہیں، نہ یہ اور نہ وہ مستقل وجود کے حامل ہیں اور نہ ہو سکتے ہیں۔ کلام کے اصول و مبادی، نتائج وعواقب اور سیاق کلام کا نظم اس طرح سے باہم جڑے ہوئے ہیں کہ ایک آنکھوں سے اوجھل ہوتو دوسرا ساتھ ہی پردہ خفا میں چلا جاتا ہے۔ قاری قبل از قرآت یہ فیصلہ کرتا ہے، اسے متن کی تفہیم تک اپنے آپ کو محدود کرنا ہے یا اصول و مبادی کی طرف جانا ہے، یا متن کے مندرجات سے نتائج وعواقب تک رسائی پانی ہے۔ اصول و مبادی پر وہ قاری توجہ مرکوز کرتا ہے جس کا محرک متن کے مندرجات کے بجائے متن نگار کے محرکاتِ علم وفن کی دریافت ہو۔ متن سے حاصل ہونے والے نتائج وعواقب کی جانب وہ قاری متوجہ ہوتا ہے، جس کے پیش نظر مصنف کے بیان سے زیادہ اپنے حاصلاتِ فکر اہم ہوتے ہیں۔ سیاق کلام کے نظم کے ساتھ مشروط قرأت فقط اس قاری کی ہوتی ہے جس کے پیش نظر مصنف کے مقصود تک رسائی حاصل کرنا ہو۔

۱۵۔ سیاق کلام کا نظم کیا ہے؟ یہ ایسا نظم نہیں جسے قاری خارج سے برآمد کرے اور متن پر مسلط کر دے۔ یہ نظم خود کلام کے سیاق سے طلوع ہوتا ہے اور کلام میں مستعمل الفاظ و کلمات کی معنوی جہت کا تعین کرتا ہے۔ کلمات کی معنوی جہت نحوی حالت ہو یا معروضی دلالت، سیاق کلام کا نظم خط مستقیم کا کردار ادا کرتا ہے۔ سیاق کلام کا نظم فاعل کو مفعول اور مفعول کو فاعل نہیں بننے دیتا اور اگر کلمات کی معنوی جہت کثرت معنی کی حامل ہوتو سیاق کلام کا نظم اپنے جبر سے اسے یک معنی بنا دیتا ہے۔ سیاق کلام کا نظم فقط کلمات کی معنوی جہت کا تعین ہی نہیں کرتا، متن کو متحجر ہونے سے بھی محفوظ رکھتا ہے۔ قاری بطون کلام کے بجائے خارج سے نظم برآمد کرے اور اسے متن پر مسلط کر دے تو متن تحجر کا شکار ہوئے بغیر نہیں رہتا۔ متحجر متن قاری کے رحم وکرم پر ہوتا ہے، قاری حسبِ منشا مطالب و مفاہیم کا اخذ و افادہ کرتا ہے۔ خارج سے مسلط کیا جانے والا نظم چاہے انفرادی فکر کا نتیجہ ہو یا متن کے مجموعی تاثر سے وضع کیا جائے، متن میں موجود سیاقِ کلام کے نظم کا بہرحال قاتل و انہدام کنندہ ہوتا ہے۔ سیاق کلام کا نظم تیار شدہ شے نہیں، قاری کی ذہنی خلاقیت مفقود ہو یا مجروح، دونوں صورتوں میں قاری اس علم کے تکشف سے محروم رہتا ہے جس کے اظہار و بیان کا وسیلہ متن ہے۔ متن میں درج علم اور اس کا تکشف مصنف کا ذاتی تجربہ ہے، سیاق کلام کے نظم سے قاری متن نگار کے علم میں برابر کا شریک ہوجاتا ہے۔ قرأتِ متن سے قاری ماتن کے ذاتی تجربے میں شریک نہ ہو سکے تو دو باتوں میں سے ایک لازماً ہوگی، متن ناقص ہوگا یا قرأت ناقص ہوگی۔

۱۶۔ ناقص متن اور ناقص قرأت دونوں متن کی تشکیلِ نو کا سبب بن سکتے ہیں، متن کی تشکیلِ نو کا سبب بیان یا متن کا نقص ہوتو متن کے معانی علیٰ حالہٖ برقرار رکھتے ہوئے جدید اظہار یا بیان وضع کیا جاتا ہے۔ قاری ایسا اس وقت کرتا ہے جب ان مطالب و معانی پر اس کی گرفت مصنف سے زیادہ نہیں تو کم از کم اس کے مساوی ہو مگر اظہار و بیان میں اسے مصنف سے زیادہ قادر الکلام ہونا ضروری ہے۔ ناقص قرأت کے نتیجے میں قاری متن کی تشکیلِ نو کے درپے اس وقت ہوتا ہے جب واقعتاً یا بزعم خویش ماتن سے وہ زیادہ عالم وفاضل ہوتا ہے یا اپنے آپ کو سمجھتا ہے۔ متن کی تشکیلِ نو میں یہ فیصلہ انتہائی اہم اور اولین ضرورت کا حامل ہے کہ تشکیلِ نو کا سبب مذکورہ دونوں باتوں میں سے کونسی بات ہے؟ اگرچہ اس فیصلے حق قاری کو ہے، تاہم متوازی متن وضع کرنے کا سبب بیان کرنا ضروری ہے۔ متوازی متن کو علمی اصول پر اسی صورت میں دیکھا اور پرکھا جا سکتا ہے جب تشکیلِ نو کا مرتکب خود ہی اپنے کام کا جواز فراہم کر دے۔ متن کی تشکیلِ نو لفظی ہو یا معنوی دونوں صورتوں میں اس کا حقیقی سزاوار تربیت یافتہ قاری ہے۔ قرأت

کے دوران میں قاری کا ذہن کسی ایسے معنی کی طرف منتقل ہوجائے جس طرف مصنف کا ذہن منتقل نہیں ہوا تو یہ قاری کے ارتکاز توجہ کا انحراف ہے، ایسی صورت میں متن کی تشکیل نو کا استحقاق ساقط ہو جاتا ہے۔وہ معانی و مطالب جو متن کا مدلول ہیں اور نہ منطوق ہیں ان کا مبداء متن کو قرار دینا نہ صرف علمی لحاظ سے ساقط الاعتبار ہے بلکہ عملی لحاظ سے بھی یہ انتہائی ناپسندیدہ نظریہ سازی ہے۔ متن کا منطوق و مدلول دونوں متن کے اندر موجود ہیں، ارتکازِ توجہ کا انحراف قاری کو متن کے مسکوت عنہ کی جانب راغب کرے یا اجنبی معانی کے ابداع پر اکسائے، قرأت متن کے عمل میں ناقابل تلافی نقصان کا باعث ہے۔ قاری متن کے الفاظ و معانی میں سے کسی کا خالق ہے اور نہ اس میں تصرف کا حق رکھتا ہے، وہ قاری ہے اور بس۔

۱۸۔ تربیت یافتہ قاری سے یہ توقع نہیں کی جاتی کہ بلاوجہ زیر قرأت متن میں اظہار و بیان کے مفسدات کو رفع کرنے کا بیڑا اٹھائے گا اور نہ یہ توقع ممکن ہے کہ اظہارو بیان کے مفسدات کی نشاندہی کیے بغیر اظہارو بیان کی اصلاح کا فریضہ انجام دینے کی سعی کرے گا۔متن کے تربیت یافتہ قاری سے یہ توقع جائز ہی نہیں واجب بھی ہے کہ وہ تربیت یافتہ قاری تیار کرے، اسی طرح سے متن کے اظہاروبیان کے مفسدات کو رفع کرنے کی اہلیت کے حامل افراد کی تیاری بھی تربیت یافتہ قاری سے ہی ممکن ہوتی ہے۔ تربیت یافتہ قاری تیار کرنا اور بات ہے اور متن کے تربیت یافتہ مفسرین تیار کرنا بالکل دوسری بات ہے۔ اظہار و بیان کے لسانی اور لسانیاتی مفسدات رفع کرنے والے مفسرین یقیناً تربیت یافتہ قاری ہی ہوتے ہیں، اسکے بغیر یہ کام انجام دینا ممکن نہیں ہے۔متن کا مفسر فقط تربیت یافتہ قاری نہیں ہوتا، اظہار و بیان کے لسانی اور لسانیاتی مفسدات کا بھی خوب ادراک رکھتا ہے۔تفسیر کا فریضہ انجام دینے والا قاری متن کے ان معانی سے پوری طرح باخبر ہی نہیں ہوتا ہے جن کا متن نگار ابلاغ چاہتا ہے، وہ ان معانی سے بھی واقف ہوتا ہے جن کا ابلاغ متن نگار کے پیش نظر نہیں ہوتا۔قرأت متن کے اصول و مبادی سے واقف قاری جانتا ہے کہ جن معانی کا مبدا متن ہے ضروری نہیں، ان کا انتساب متن نگار کے شعور بھی ہو۔بعض اوقات متن قاری کے شعور کے ایسے دریچے وا کرنے میں بھی کامیاب ہوجاتا ہے جن کی اطلاع متن نگار کو کبھی نہیں ہوئی ہوتی۔ایسی قرأت درحقیقت قاری کا ذاتی کمال ہے، جس میں متن کا دخل ہے اور نہ متن نگار کا کمال شامل ہے۔

۱۹۔ عداوت اور عقیدت کے محرکات قرأت متن کو متاثر کر سکتے ہیں، عمرانی اور معاشی صورت حال قرأت متن میں دخل انداز ہو سکتی ہے، پہلے سے طے شدہ مفروضات و خدشات قرأت متن کے لیے ضرر رساں ہو سکتے ہیں۔ مذکورہ تمام صورتیں اضطراری اور اجباری ہیں، ان میں سے ایک صورت بھی ایسی نہیں جسے معمول کی صورت حال کہا جا سکے۔معمول کی صورت حال فقط ایک ہے اور وہی معیاری صورت حال ہے، جذباتی آلودگی سے پاک خالص علمی محرکات کے تحت قرأتِ متن کی جائے ۔متن کی نوعیت اور موضوع قرآت متن میں سب سے زیادہ اہم کردار ادا کرتا ہے، بعض متون کی ماہیت تقاضا کرتی ہے کہ ان کی روح تک رسائی پانے کے لیے خالص جذباتیت ظاہر کی جائے بعض اس کے بالکل برعکس تقاضا کرتی ہیں۔سنجیدہ متون کا قاری غیر سنجیدہ کبھی نہیں ہوتا اور غیر سنجیدہ قاری کی قرآت مستند کبھی نہیں ہوتی ہے۔سنجیدہ متن کا سنجیدہ قاری متن سے کیا حاصل کرنا چاہتا ہے؟ کیا وہ متن سے ایسا کچھ دریافت کرنے کے درپائے ہوسکتا ہے جس کا انتساب صاحب متن کی طرف ممکن نہ ہو؟ متن سے ایسا کچھ دریافت کر لینا جس سے مصنف کا ذہن خالی ہو، قرآتِ متن کی بہتر صورت نہیں ہے، خواہ اس کا محرک عقیدت ہو چاہے عداوت ہو۔قرأت متن کی بہتر اور معیاری صورت وہی ہے جس میں قاری فقط وہی کچھ دریافت کرنے میں کامیاب ہو جو مصنف کے پیش نظر ہے۔قرآت متن میں قاری کا کمال ذہنی آوارگی میں مضمر نہیں ہے، یک سوئی میں ہے۔ قاری کی ذہنی یک سوئی کو مضطرب کرنے والا محرک حسن نیت پر مبنی

ہو یا سوءِ ظن کا نتیجہ ہو، بہرآئینہ قرأت متن کا قاتل و ہادم ہی متصور ہوتا ہے۔

۲۰۔ متن زبان و بیان کے اعتبار سے ''متفق علیہ مشترکات'' consensual commonalties پر مشتمل ہے۔ زبان و بیان درحقیقت وہ ''متفق علیہ مشترکات'' ہیں جو اشیاء (یعنی معروض، زندہ یا مردہ، حقیقی یا فرضی) ، افعال، کیفیات اور نسبتوں کے اسماء ہیں۔ یہ ''متفق علیہ مشترکات'' یعنی اشیاء، افعال، کیفیات اور نسبتوں کے اسماء اور ان اسما کے مسمیات خارج میں یا ہمارے ذہن میں موجود ہوتے ہیں۔ اہل زبان وہ افراد ہوتے ہیں جن کے مابین یہ اسماء اور ان کے مسمیات بیان میں آنے سے قبل طے شدہ اور شناخت شدہ ہوتے ہیں۔ دوسری زبان اس کے سوا کچھ نہیں کہ ان اشیاء، افعال، کیفیات اور نسبتوں کے اسماء دوسرے ہوتے ہیں۔ عربی اور اردو وغیرہ زبانوں میں فرق اس کے سوا کچھ نہیں کہ اسماء بدل گئے ہیں۔ اشیاء بدلتی ہیں اور نہ افعال بدلتے ہیں، کیفیات بدلتی ہیں اور نہ نسبتیں متغیر ہوتی ہیں، فقط ان کے اسماء بدلتے ہیں، اسی تغیر اسماء کا نام دوسری زبان ہے۔ اسماء درحقیقت مسمیات کی لفظی صور ہیں، باعتبار ذوات یہ خالی ظروف ہیں، ذہن انسانی ان میں حقیقی اور فرضی مسمیات ڈالتا ہے۔ یہ حقیقی یا فرضی مسمیات ''معانی'' کہلاتے ہیں۔ فرضی مسمیات فرضی معانی ہوتے ہیں اور حقیقی مسمیات حقیقی معانی ہوتے ہیں۔ تمام زبانوں کی حیثیت مترادفات کی ہوتی ہے، جیسے ایک زبان ایک شے کے مختلف اسماء مترادفات کہلاتے ہیں اسی طرح ہر زبان درحقیقت مترادفات کا حکم رکھتی ہیں۔

۲۱۔ متن نگار اور قاری دونوں ان ''متفق علیہ مشترکات'' جو محض ظروف ہیں، کے یکساں عالم و حامل ہیں۔ متن نگار ان خالی الذوات ظروف میں معانی ڈالتا ہے اور قاری ان معانی کو پوری صیانت کے ساتھ اپنے شعور کا حصہ بنانے میں محض اس لیے کامیاب ہوتا ہے کہ یہ خالی الذوات ظروف، متن نگار اور قاری دونوں کے ہاں یکساں طے شدہ اور شناخت شدہ ہوتے ہیں۔ متن اپنے پورے شرائط وجود اور لوازمات ظہور سمیت مصنف اور قاری کے مابین ''متفق علیہ مشترکات'' سے تشکیل شدہ میڈیم یا وسیلہ ابلاغ و ترسیل ہے۔ متن دو حواشی میں برزخ کی حیثیت سے اپنا کردار ادا کرتا ہے، وہ قرات متن نہیں ہے جس سے حواشی اور برزخ میں غلط مبحث ہو یا حواشی اپنی حدود سے متجاوز ہو کر برزخ کا حصہ بن جایں یا برزخ حواشی میں شامل ہو جائے۔ مصنف اور قاری قراتِ متن میں متوازی خطوط اور متقابل حواشی ہیں، متن ان دونوں کے مابین حد فاصل اور حد قارن ہے۔ قرأت متن میں متن جب تک حد فاصل اور حد قارن ہے تو دونوں کے لیے یکساں عیاں اور یکساں واضح ہے۔ قاری متن کو اپنے مفاد کے لیے اور مصنف اپنے مبہم تصورات کے لیے استعمال نہیں کر سکتے۔ متن کا مصنف فرد واحد ہے مگر قاری تمام انسان ہیں، ہر فرد انسانی اپنی مرضی اور منشا کا معنی اخذ کرنے کا مجاز ہو تو متن کا وجود ناممکن ہو جائے۔ قاری اور ماتن، کوئی بھی یہ پسند نہیں کرے گا کہ متن ایسی شخصی جاگیر ہو جس میں داخلہ ممنوع ہو۔

۲۲۔ انفرادی اور شخصی نوعیت کے علامتی اظہار پر مبنی متن کی تخلیق کا امکان ہے، مگر ایسے متون کا قاری نوع انسانی کا ہر فرد نہیں ہو سکتا۔ علامتی اظہار کے جدید پیرائے ایجاد کرنا والا خود ہی اپنی وضع کردہ علامتوں کا خالق اور مفسر ہوتا ہے۔ اجنبی اور غیر متعارف و غیر مشترک علامات کا استعمال متن کو چینی پزل بنا دیتا ہے، درست مدلول کبھی متعین نہیں ہوتا الا یہ کہ اجنبی علامات کا خالق خود ان غیر متعارف علامات کا متعارف اور مشترک علامات میں متبادل فراہم کرے۔ ''فک الشفرہ'' یا ''انفکاک المغالق'' (decoding) علامات کے خالق کا حق اور وظیفہ ہے۔ غیر متعارف اور اجنبی علامات کا خالق ان کے انفکاک کا حق دار ہی نہیں ذمہ دار بھی ہے۔ مصنف کے ذہن محفوظ تصور متن میں ڈھلنے سے قبل ذہنی حقیقت ہے، متن کی صورت اختیار کرنے کے بعد واقعی حقیقت ہو جاتا ہے۔

اب وہ مصنف کی شخصی ملکیت ہے اور نہ اس پر قاری کی اجارہ داری ہے، مشترکہ یا اجتماعی فضیلت ہے۔ متن کی قرأت پر اجارہ دارانہ اور مالکانہ حقوق کا دعویدار ہونا نادانی ہے۔ ہر قاری غلط فہمی کا شکار ہو جائے، یہ بالکل اسی طرح ناممکن ہے جس طرح کوئی بھی غلط فہمی کا شکار نہ ہو، ناممکن ہے ۔ سب کے سب قاری غلط فہمی کا شکار ہو جائیں یا سب کے سب قاری غلط فہمی سے بالکل محفوظ رہیں، یہ دلیل ہے اور نہ وہ دلیل بن سکتی ہے۔ غیر متعارف علامات پر مبنی متون کی قرأت اجارہ دارانہ اور مالکانہ حقوق کی حامل ہوتی ہے اور کبھی اجتماعی فضیلت نہیں بن سکتی۔

۲۳۔ ''ہدایت'' پر مبنی متون کاملاً شفاف اور ہر نوع کے ابہام و ایہام سے پاک ہوتے ہیں۔ جمالیاتی ابہام و ایہام ہدایت پر مبنی متون میں ممکن ہے اور نہ ان کے شایان شان ہے۔ ''ھدی للناس'' کی صفت کا حامل متن جمالیاتی ابہام و ایہام سے اور زیادہ دور ہوتا ہے۔ حسن بیان فقط ابہام و ایہام میں مقید ہو، ضروری نہیں ہے۔ ابہام و ایہام سے پیدا ہونے والا حسن بیان سے زیادہ معنی کی صفت ہوتا ہے اور بیان سے پیدا ہونے والا حسن صوتی آہنگ اور تراکیب کی ترتیب سے تشکیل پاتا ہے۔ باطنی اور سیاسی اغراض کے پیش نظر نامانوس علامات و کنایات سے تشکیل پانے والے متون ''ھدی للناس'' کی صفت سے موصوف نہیں ہوتے۔ قرأت متن کی اہلیت سے محروم قاری متن کی تبیین و تبلیغ کو مورد الزام نہیں ٹھہرا سکتا۔ متن غیر مادی معانی و مطالب کی علامتی تجسید ہے اور تربیت یافتہ قاری کی اہلیت علامتی تجسید سے غیر مادی معانی و مطالب کی دریافت کے علاوہ کسی شے کا نام نہیں ہے۔ معانی و مطالب اور علامتی تجسید و تجسیم کے وسائل دونوں متن میں مقید ہونے سے قبل مصنف اور قاری دونوں کے شعور میں طے شدہ مشترکات ہیں۔ مصنف فقط ان کا مبدع ہے اور کچھ نہیں ہے اور قاری فقط ان کا اخذ کنندہ ہے اور کچھ نہیں ہے۔ قاری مبدع نہیں ہے اور نہ بن سکتا ہے، مصنف اخذ کنندہ نہیں ہے اور نہ بن سکتا ہے۔ ہدایت پر مبنی متن کا قاری معانی و مطالب کے اخذ و استفادے کے سوا جو کچھ کرتا ہے، اس کا تعلق قرأت متن سے نہیں ہے، یہ فقط اس کی جولانی طبع کی شہ کاری ہے۔

۲۴۔ متن جس علم و عرفان کا حامل اور حاوی ہے، مصنف اور قاری کے مابین متن کے وسیلے سے وہ مشترکہ فضیلت بنتا ہے۔ ''الوہی متن'' اور انسانی متن میں وجودی امتیاز اعتقادی ہے ورنہ متن بحیثیت فضیلت ماتن اور قاری کے مابین یکسانی علم پیدا کرنے کا وسیلہ ہے چاہے وہ الوہی ہو یا انسانی متن ہو۔ الوہی متن ''علم اللہ'' کا حامل اور مبلغ ہے، انسانی متن انسانی علم کا حامل اور مبلغ ہوتا ہے۔ الوہی متن سے انسان ''علم اللہ'' حاصل کرتا ہے اور ''علم اللہ'' کا بالکل اسی طرح عالم بنتا ہے جس طرح وہ ''علم اللہ'' میں ہے۔ الوہی متن نہ ہو تو انسان کے پاس ''علم اللہ'' کے حصول و ادراک کا کوئی وسیلہ نہیں ہے۔ الوہی متن جس طرح اظہار و بیان میں الوہی ہے اسی طرح مطالب و معانی میں بھی الوہی ہے۔ انسانی متن میں ممکن ہے کہ اظہار و بیان مطالب و معانی سے ایک درجہ کم اور مطالب و معانی ایک درجہ بلند ہوں، مگر الوہی متن میں اظہار و بیان اور معانی و مطالب میں کسی ایک کو کم یا زیادہ فرض کرتے ہوئے ایک کو ترجیح اور دوسرے کو مترجح نہیں بنایا جا سکتا۔ الوہی متن کے فقط اظہار و بیان پر اصرار کرنا اتنا ہی لغو ہے جتنا مطالب و معانی پر اصرار کرنا بے ہودہ عمل ہے۔ الوہی متن میں درج علم یقیناً ''علم اللہ'' ہے اور الوہی متن کے الفاظ و کلمات یقیناً ''کلمات اللہ'' ہیں۔ علم اللہ کا ادراک و حصول کلمات اللہ کے ذریعے سے ممکن ہے اور کلمات اللہ کا حصول و ادراک فقط الوہی وسیلے یعنی وحی سے ممکن ہے۔ یہ امر وحی کے استحقاق منصب کے منافی ہے کہ اس کے الفاظ ان کے معانی کی دلالت سے عاری ہوں، یہ علم اللہ کے شایان شان نہیں کہ قاری کلمات اللہ سے وہ نہ سمجھے جو اللہ تعالیٰ اس کو سمجھانا چاہتے ہیں۔

۲۵۔ الوہی اور انسانی متن کی قرأت کے اصول و مبادی ایک ہیں سوائے اس کہ الوہی متن کی تشکیل نو ممکن نہیں ہے۔ انسانی متن

''بہ الفاظ دیگر'' ممکن ہے، الوہی متن بہ الفاظ دیگر ممکن نہیں ہے۔ انسانی متن کی قرأت سے قبل قاری کی مطلوبہ استعداد ناگزیر شرط ہے، الوہی متن کی قرأت کے لیے بھی یہی شرط لازم ہے۔ الوہی متن اپنے متن نگار کے مقصود کے ابلاغ کا واحد وسیلہ ہے، انسانی متن اپنے متن نگار کے مقصود کے ابلاغ کا وسیلہ ہے۔ الوہی متن کے قاری کا فرض ہے کہ وہ اسی مقصود تک رسائی حاصل کرے جس کا ابلاغ متن نگار کرنا چاہتا ہے اور یہی فرض انسانی متن اپنے قاری پر وارد کرتا ہے۔ الوہی یا انسانی متن قاری کی خواہش کا پابند نہیں بلکہ قاری کی خواہش متن کی پابند ہونی ضروری ہے۔ متن قاری کے لیے موم کی گڑیا ہے اور نہ لوہے کے چنے ہے۔ قاری اپنی رضا و رغبت سے یا عناد و عداوت سے متن کے اظہار و بیان میں تصرف کا مجاز ہے اور نہ مطالب و معانی میں اپنی مرضی شامل کرنے کا حق رکھتا ہے۔ تعلیم و تربیت ایک تدریجی عمل ہے، تربیت یافتہ قاری بتدریج قرأت میں مہارت حاصل کرتا ہے، عمدہ قرأت وہی ہے جو قاری اور مصنف میں یکسانی علم پیدا کرتی ہے۔ غیر تربیت یافتہ قاری متن سے ایسے معانی و مطالب اخذ کرنے میں بھی کامیاب ہوجاتا ہے جن کا گزر مصنف کے وہم و گمان میں کبھی نہیں ہوتا ، یہ عمدہ قرأت نہیں ہے۔ متن اظہار و بیان میں ناقص یا معانی و مطالب کی تعبیر میں تعریج کا شکار ہے، دونوں صورتوں کا ادراک تربیت یافتہ قاری دوران قرأت کر لیتا ہے۔ مابعد قرأت کے مراحل عمدہ قرأت کا نتیجہ ہوتے ہیں، جیسے متن کی جدید صورت گری یا متن کے نقص و تعریج کی نشاندہی وغیرہ۔

۲۶۔ دوران قرأت میں تفہیم متن میں غلط فہمی کا مبدا متن کا نقص ہو تو اسے بیان کرنا قاری کی علمی دیانت کا تقاضا ہے، ناقص قرأت کے نتیجے میں پیدا ہونے والی غلط فہمی کا ازالہ اس وقت تک ممکن نہیں جب تک قرأت کا نقص رفع نہ کر لیا جائے۔ متن کا نقص فقط نشاندہی سے دور کیا جا سکتا ہے مگر قرأت کا نقص نشاندہی سے دور نہیں کیا جا سکتا۔ علم کی کمی کا ازالہ نشاندہی سے نہیں، حصول علم سے ممکن ہے۔ متن فی نفسہٖ علم نہیں بلکہ علم کا حامل اور حاوی بیان ہے۔ اظہار و ابلاغ کے نقص کو دوسرے اظہار و ابلاغ سے رفع کیا جا سکتا ہے مگر ''علم'' کی کمی کا ازالہ دوسرے علم سے نہیں بلکہ اسی علم کے اتمام یافتہ ہونے سے ممکن ہوتا ہے۔ تفہیم متن میں غلط فہمی کا ازالہ ایک اور غلط فہمی سے کیا جائے تو جہالت علم بن کر فروغ پاتی ہے۔ غیر تربیت یافتہ قاری کی دست درازی سے الوہی متن کو محفوظ رکھنا ضروری ہے تو اس کی تشکیل جدید سے قبل الوہی تشکیل کے نقص کی نشاندہی کا مطالبہ بالکل فطری اور وقت کی اہم ترین ضرورت ہے۔

۲۷۔ سیاق کلام کا نظم قاری کے شعور میں قرأت سے قبل موجود ہوتا ہے مگر مشہود نہیں ہوتا، دوران قرأت اس کے شعور پر ہویدا ہوتا ہے اور ایک مشہود حقیقت بن کر متن کی دلالت معنی، ماتن کے تعیین معنی اور قاری کے تحصیل معنی کو ایک وحدت بنا دیتا ہے ۔ قاری، تحصیل معنی کے بجائے خانہ زاد نظم متن پر مسلط کرنا شروع کر دے تو متن کی لایعنی اور لاطائل توجیہات و تاویلات کا موہوم دروازہ اپنے لیے وا کر لیتا ہے مگر اس سے متن نگار کے شعور سے فقط دوری ہوتی ہے اور متن نگار کے علم سے وحدت کبھی نہیں مل سکتی۔ متن نگار ابلاغ معنی ،قاری تفہیم معنی اور متن احصاء معنی کا مرکز ہے، یہ تینوں مراکز مرتکز بالذات فی الذات ہیں۔ ایک کا وظیفہ دوسرے کے ذمہ ڈالا جا سکتا اور نہ ایک کا کام دوسرا انجام دے سکتا ہے۔ تینوں مراکز مرتکز بالذات فی الذات رہیں تو قرأت متن نہ فقط ممکن ہوتی ہے بلکہ عمدہ قرأت کے امکانات حقیقت بن جاتے ہیں۔ قرأت متن کی حقیقی ذمہ دار قاری پر ہے، قرأت متن کے مذکورہ مراکز کے ارتکاز بالذات فی الذات کو قاری ہی مضطرب کرتا ہے۔ قرأت متن کی غایت اجنبی معانی کی دریافت کبھی نہیں ہوتی، اجنبی معنی کی دریافت قاری کو حصول معنی سے نکال کر تخلیق معانی کے دائرے میں لا کھڑا کرتا ہے۔ تخلیق معانی اور قرأت متن دو مختلف وظائف ہیں، ایک قاری اور دوسرا مصنف نے انجام دینا ہے۔ قرأت متن کا انجام اجنبی معانی کا انکشاف و اکتشاف قاری کا اپنی حدود سے

تجاوز کا نتیجہ ہوتا ہے۔ متن فقط انہیں مطالب و معانی کے احصاء کا مرکز ہے جن کا ابداع متن نگار کے شعور میں ہوا ہے۔ قاری کے شعور میں جن معانی کا ابداع ہوا ہے اس کا مبدا متن نہیں ہے، اس کا مبداء خود قاری کا ذاتی شعور ہے، متن کی حیثیت فقط نقطہ ارتفاع کی ہوتی ہے۔

۲۸۔ متن اپنی ماہیت کے اعتبار سے ''معنی پر دلالت'' ہے۔ ابداع معنی کا وہ مبداء ہے اور نہ تحصیل معنی کا ذمہ دار ہے۔ ''دلالت معنیٰ'' ماتن سے متعلق امر ہے اور نہ قاری سے تعلق رکھنے والی شے ہے۔ ''دلالت معنیٰ'' مرتکز بالذات فی ذات فقط متن کی صفت ہے۔ قاری اور متن نگار کا شعور جس مرکز میں وحدت معنی یا یکسانی علم سے متصف ہے وہ ''متن'' ہے۔ معنی کا علامتی احصاء اس دلالت میں ہے، جس کا تحقق متن میں ہو گیا ہے، متن نگار یا قاری کے شعور میں نہیں ہے اور دلالت کا احصاء علامت میں ہے۔ قاری پر لازم ہے کہ وہ اسی معنی تک رسائی حاصل کرے جس کے لیے ماتن نے متن کو دلالت بنایا ہے۔ دلالت معنی کا وسیلہ وہ زندہ، متحرک اور روبہ ارتقاء شعور نہیں ہے جو دال یا مدلول ہوتا ہے، یہ ماتن ہے یا قاری ہے۔ دلالت معنی کا وسیلہ وہ غیر نامی، ساکن اور منجمد علامات ہے جو ''متن'' کی صورت میں منقوش ہیں۔ ماتن کے شعور میں مضمر معنی کا حوالہ قاری کے تفہیم معنی کے استحکام کی تکنیک ہے، ورنہ اصل معنی کا حوالہ ''متن'' ہی ہے۔ متن کسی غلط فہمی کا مبدا نہیں ہوتا، غلطی فہمی کا مبدا متن نگار کی تفہیم و بیان میں ہو گا یا قاری کے فہم و ادراک کے نقص میں ہوگا۔

۲۹۔ قرآن مجید کے تفہیم معنی میں نبی اکرم ﷺ کے شعور میں حاصل شدہ معنی پر اصرار کرنا اس لیے ضروری ہے کہ صاحب متن ''مشہود'' نہیں ہے۔ نامشہود صاحب متن کے کامل نمائندے نبی علیہ السلام ہیں باوجودیکہ آپ ﷺ صاحب متن نہیں ہیں، مگر صاحب متن، متن کے ذریعے سے جو ابلاغ فرمانا چاہتا ہے، وہ بعینہٖ وہی ہے جو نبی علیہ السلام کے شعور میں حقیقت بنا ہے۔ صاحب متن نے ابلاغ معنی کے لیے انہی ''متفق علیہ مشترکات'' سے کام لیا ہے جو متن کے حقیقت بننے سے قبل طے شدہ امور ہیں۔ ''متفق علیہ مشترکات'' نبی کریم ﷺ اور امت کے مابین طے شدہ ہیں، ان کی تفہیم و تفہم میں امت اور نبی ﷺ کے مابین نئی دلالتوں کے وضع و تشکیل کا جدید معاہدہ ہوا ہے اور نہ نبی ﷺ کے شعور میں ان مشترک علامتوں سے جدید مدالیل تشکیل پائے ہیں۔ امت میں شامل ماننے والے اور نہ ماننے والے ان الفاظ و کلمات سے یکساں معنی مفہوم کرتے ہیں۔ جن الفاظ و کلمات کے مطالب و معانی میں مدالیل کی تشکیل جدید کی گئی ہے وہ بھی واضح کر دیے گئے ہیں۔ **الصلوۃ یا الزکوۃ** وغیرہ کے مدالیل پہلے سے طے شدہ اور متفق علیہ مشترکات تھے، صاحب متن نے خود ہی ان کی تعملی ہیئت بیان کر دی ہے تو یہ بھی طے شدہ ہوگئے ہیں۔ مصطلاحات وضع کرنا اور ان کے جدید مدالیل کی نشاندہی کرنا صاحب متن کا فریضہ ہے۔ جو الفاظ و کلمات قرآن مجید میں اصطلاحاً استعمال ہوئے ہیں وہ متفق علیہ مشترکات فقط اسی جدید معنی میں طے شدہ ہیں جن کی نشاندہی صاحب متن نے خود کر دی ہے۔ مصطلحات کے علاوہ قرآن مجید کا پورا بیان متفق علیہ مشترکات میں ہے۔ کسی نئے یا جدید معانی کا حامل ہیں اور نہ متحمل ہیں۔

۳۰۔ متن کی قرأت کے لیے جس اہلیت و استعداد کی قبل از قرأت فوری احتیاج ہوتی ہے وہ قرآن مجید کی قرأت میں بھی درکار ہے۔ قبل از قرأت اہلیت و استعداد کے علاوہ قرآن مجید کے معنی کی تفہیم کسی شے کی ضرورت مند ہے اور نہ اور کوئی شے لازم کرتی ہے۔ قرآن مجید کے تفہیم معنی میں ابوجہل اور ابوبکرؓ بالکل یکساں تھے، فرق سمجھنے میں نہیں، قرآن مجید کو ''کلام اللہ'' ماننے اور نا ماننے میں تھا۔ ایمان علم نہیں ہے اور علم ایمان نہیں ہے۔ کلام اللہ ''علم اللہ'' ہے، یہ قضیہ علمی نہیں ہے، سو فی صد ایمانی قضیہ ہے۔ ''کلام اللہ'' کا مخاطب انسان ہے، لہذا ''متفق علیہ مشترکات'' میں نازل ہوا ہے جو انسانوں میں پہلے سے طے شدہ ہیں۔ قرآن مجید کے فہم

معنی میں نبی علیہ السلام کے فہم معنی کو پیش نظر رکھنا علمی یا نظری ضرورت نہیں، ایمانی ضرورت ہے۔ قرآن مجید زبان و بیان کے اعتبار سے ''غیر ذی عوج'' ٹیڑھ پن سے خالی ہے، کسی ابہام و ایہام اور اشکال و اشتباہ کے بغیر اپنے مدعا کو بیان کرتا ہے، سمجھنے میں آسان اور انتہائی سادہ کلام ہے۔ یہ اپنے معنی و مفہوم کے ابلاغ کے لیے کسی انسانی توضیحی و تشریحی نوٹ کا محتاج ہے اور نہ اس کا قاری غیر ازیں کسی توضیحی و تشریحی نوٹ کا ضرورت مند ہے۔

۳۱۔ جب متن اپنی قرأت کے اصول خود بیان کرے تو ان کی پابندی کرنا ضروری ہے۔ قرآن مجید نے اپنی قرأت کے اصول خود بیان کیے ہیں۔ ماتن کے بتائے ہوئے اصول قرأت قاری کے لیے زیادہ اہم اور زیادہ لائق التفات ہوتے ہیں۔ قرآن مجید نے اپنے مندرجات کو دو حصوں میں تقسیم کیا ہے۔ آیات محکمات اور آیات متشابہات، محکمات غیر مبہم اور واضح و بین ہیں، متشابہات ایسی نہیں ہیں۔ محکمات ''ام الکتاب'' ہیں اور متشابہات کی تاویل کے درپے ہونا قرآن مجید کی رو سے فتنہ سازی و فتنہ پروری ہے۔ آیات محکمات قطعی الدلالہ ہیں، آیات متشابہات ظنی الدلالہ نہیں بلکہ ان کے مدلول کا تعین ممکن نہیں ہے۔ ظنی الدلالہ میں مدلول متعین تو ہوتا ہے مگر حتمی نہیں ہوتا، آیات متشابہات میں مدلول کا تعین ناممکن ہوتا ہے۔ الفاظ و کلمات یا کلام و بیان بہ یک وقت ایک سے زیادہ مدالیل کے حامل و متحمل ہو تو ظنی الدلالہ اس وقت تک متصور نہیں ہوتا ہے جب ایک معنی کو متعین نہ کر لیا جائے اور دوسرے معانی کو ترک کر دیا جائے۔ متشابہ کے ایک مدلول کو متعین نہ کیا جائے اس وقت تک وہ ظنی الدلالہ نہیں ہوتا۔ ''کلام اللہ'' نے اپنی قرأت کے اصول و مبادی خود وضع کر دیے ہیں۔ آیات کو محکمات اور متشابہات کی صفت سے متصف کرنا اور محکمات کو ''ام الکتاب'' کی صفت سے موصوف کرنا فقط قاری کو تنبیہ نہیں ہے بلکہ قرآن مجید کی قرأت کے بنیادی اصول بھی یہی ہیں۔ خود مکتفی متن کی حیثیت سے قرآن مجید نے اپنی قرأت کے اصول و مبادی خود بیان کر دیے ہیں، اپنے قاری کو آزاد نہیں چھوڑا۔ جن حدود میں اس کا درست فہم مقید و محدد ہے انہیں وہ خود مقرر کرتا ہے۔

۳۲۔ قرأت متن کے تناظر میں ''محکم'' بیان بدیہی اور بالذات واضح ہوتا ہے، مزید توضیح و تشریح کا محتاج نہیں ہوتا۔ توضیح اور تفسیر طلب بیان کو ''محکم'' کی صفت سے موصوف نہیں کیا جا سکتا۔ ماتن یا قائل کی مراد مستحکم بنیادوں پر قائم اور ابلاغ کی منزل تک رسائی پا لے تو بلاوجہ تاویل کے درپے ہونے کی روش ناپسندیدہ اور ناروا طرز عمل متصور ہوئے بغیر نہیں رہتی۔ آپ غور فرمائیں کہ محکمات اور متشابہات کی اصطلاح بغیر کسی ابہام کے مدلول پر محکم دلالت کی حامل ہیں۔ متشابہ اور محکم کا مدلول مزید کی وضاحت کا محتاج ہوتا تو یہ بیان بھی محکم متصور نہ ہوتا۔ محکم کی تفسیر ناممکن ہے اور متشابہ کی تاویل ممنوع ہے پھر تفسیر کا موضوع کونسی آیات ہیں؟ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کی آیات کو دو حصوں میں تقسیم کیا ہے، جن کی تفسیر و تاویل کے امکان کی نفی ہوتی ہے، آخر یہ تیسری کونسی سے آیات ہیں جن کی تفسیر کی جا سکتی ہے؟ قاری متن کی طرف متوجہ ہونے سے پہلے ایسا کچھ فرض کر سکتا ہے جس کا امکان معدوم ہو مگر کسی معدوم الامکان اندیشے کو حقیقت سمجھنا اور اس کے لیے حفظ ماتقدم کے طور پر زرہ تیار کرنا حیران کن، نہیں تباہ کن ہے۔ مفروضہ اندیشوں اور خواہشوں پر کھڑی کی جانے والی دیوار فصیل شہر متصور ہونے لگے تو متن سے دوری کے سوا کیا مل سکتا ہے؟